تشریحات

تجلیاتِ ناقص

قسط اول

رضوان احمد نعمانی

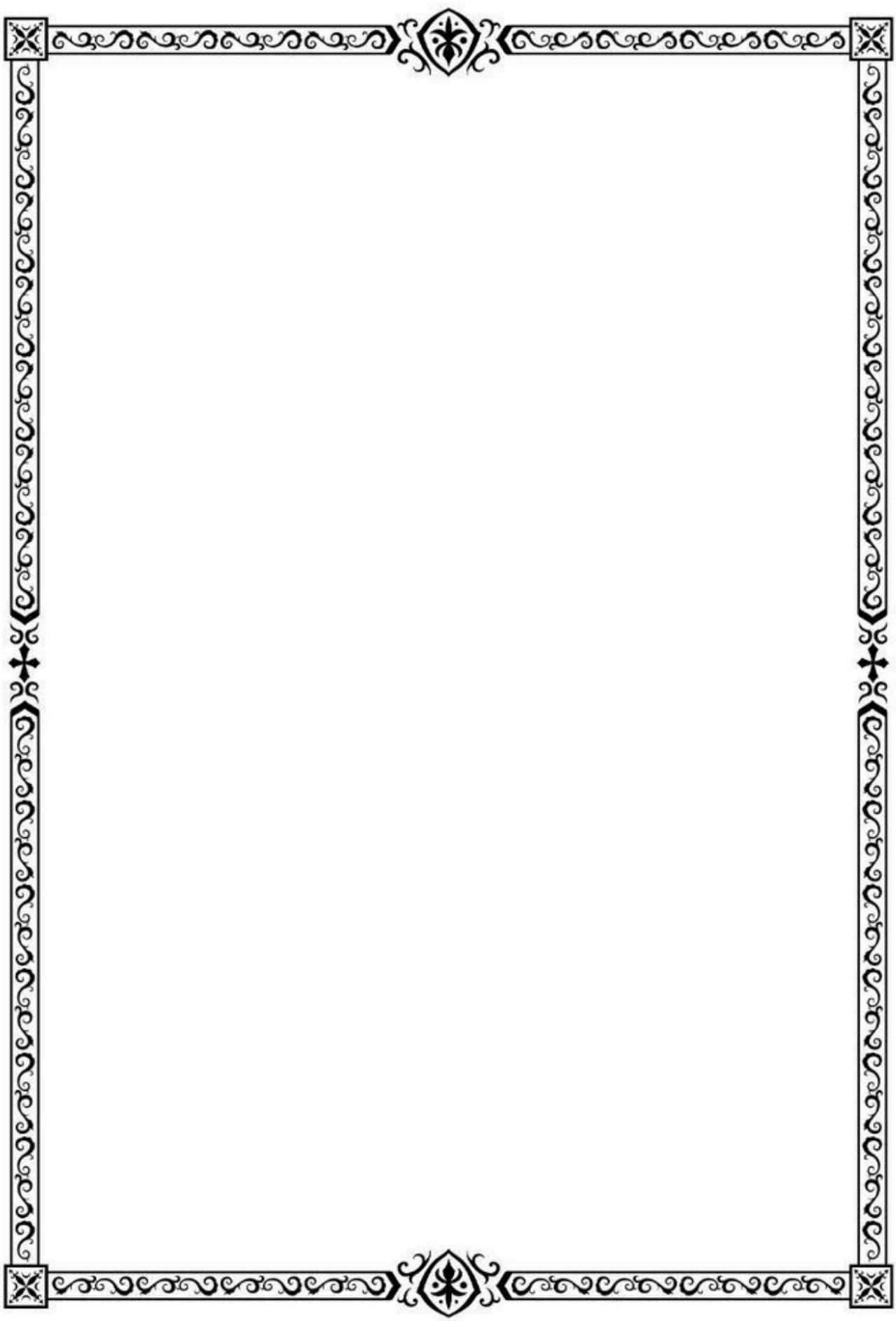

نام ——— تجلیات ناقص

تالیف ——— رضوان احمد نعمانی بنارسی

تشریحات ———

بتاریخ ——— ۱- ربیع الاول ۱۴۴۸ھ

صفحہ ——— ---

کمپوزنگ ——— نعمانی گرافکس بنارس

ناشر ——— ----

منقبت و غزلیات کے چند اشعار کی

تشریحات

تجلیاتِ ناقص

تخلص - ناقص بنارسی

رضوان احمد نعمانی بنارسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برائے ایصال

الحاج محمد علی جان بنارسی

علیہ الرحمہ

محمد بدر الدین شاہ قادری تیغی

آبادانی بنارسی

علیہ الرحمہ

رضوان احمد نعمانی (ناقص بنارسی): ایک تعارف و علمی و ادبی پس منظر

شہر بنارس (وارانسی) اپنی تاریخی، تہذیبی اور علمی عظمت کے لیے دنیا بھر میں معروف ہے۔ یہ سر زمین ہمیشہ سے علم و ادب، شعر و سخن اور روحانیت کا مرکز رہی ہے۔ اسی عظیم شہر کا ایک تاریخی اور مشہور علاقہ "علوی پورہ" (چھتن پورہ) ہے، جسے علماء اور شعراء کی سر زمین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہر دور میں اس خطے نے ایسے نابغۂ روزگار افراد پیدا کیے ہیں جنھوں نے علم و ادب کی دنیا میں اپنی گہری چھاپ چھوڑی ہے۔

اسی علمی و ادبی روایت کے تسلسل کے طور پر رضوان احمد نعمانی، جن کا شعری تخلص ناقص بنارسی ہے، کی ولادت 1999ء میں علوی پورہ، بنارس کے ایک باوقار ماحول میں ہوئی۔

ادبی سفر اور تخلص: رضوان احمد نعمانی نے اپنے شعری سفر کے لیے "ناقص" کا انتخاب کیا۔ ادب کی دنیا میں یہ تخلص ان کی عاجزی، انکساری اور فن کے سامنے خود کو ہمیشہ ایک طالب علم سمجھنے کی علامت ہے۔ بنارس کی زرخیز مٹی سے ان کی وابستگی ان کے نام کے ساتھ "بنارسی" کی صورت میں نمایاں ہے، جو اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے شہر کی عظیم روایات کے پاسدار ہیں۔

ماحول اور اثرات: بنارس اور بالخصوص علوی پورہ کے علمی ماحول کا اثر ان کی شخصیت اور فکر پر نمایاں ہے۔ جس سر زمین نے متعدد جید علماء اور پختہ گو شعراء کو اپنی آغوش میں پرورش دی، اسی ماحول نے ناقص بنارسی کو بھی شعر و سخن کا ذوق اور علمی پختگی عطا کی۔ ان کی شاعری اور تحریروں میں روایتی پاسداری کے ساتھ ساتھ عصری شعور کا عنصر بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔

ابتدائیہ

شاعری انسانی احساسات، خیالات اور تجربات کو خوبصورت اور موزوں الفاظ میں ڈھالنے کا فن ہے۔ یہ دل کی آواز ہوتی ہے جو عام گفتگو کے مقابلے میں زیادہ گہرائی، تاثر اور نغمگی کے ساتھ دوسروں تک پہنچتی ہے۔

شاعری کے چند اہم پہلو، احساسات کا اظہار: شاعری محبت، غم، امید، درد، اور خوشی جیسے پیچیدہ جذبات کو چند مصرعوں میں سمیٹنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

الفاظ کا حسن: اس میں وزن، قافیہ، ردائف اور استعارے (Metaphors) استعمال کر کے عام الفاظ کو بھی دلکش بنا دیا جاتا ہے۔ اردو شاعری ادب میں شاعری کی متعدد خوبصورت اصناف موجود ہیں، جیسے غزل۔ جس کے ہر شعر میں ایک مکمل مضمون ہوتا ہے اور یہ زیادہ تر جذباتی و فلسفیانہ خیالات کی عکاسی کرتی ہے۔

نظم۔ جو کسی ایک عنوان یا موضوع پر مسلسل لکھی جاتی ہے۔

رباعی، قطعہ اور قصیدہ: جو مخصوص انداز اور مقاصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

شاعری کے بارے میں منتخب اشعار

نقشِ فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا
— میرزا اسد اللہ خان غالب

شعر برائے شعر نہیں ہوتا
شعر تو دل کی بات ہوتی ہے

قسم خدا کی سینے میں جان رکھتا ہوں
میں اپنے دل میں ایمان رکھتا ہوں
بلند رتبہ اس گھر کا کیوں نہ ہو، ناقص
سمجھ نہ کمتر، گھر میں قرآن رکھتا ہوں

مفہوم: شاعر خدا کی قسم اٹھا کر اپنے پختہ ایمان کا اظہار کر رہا ہے کہ وہ اپنے دل میں سچا ایمان اور رب العزت کی ذات پر کامل یقین رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس گھر میں کلامِ الٰہی (قرآن مجید) موجود ہو، اس گھر کا مرتبہ و مقام کم نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی اسے ظاہری لحاظ سے معاشی یا مادی طور پر کم تر یا غریب سمجھے، تو یہ اس کی نادانی اور کم فہمی ہے۔ قرآن پاک کی موجودگی ہی اس کے گھر کی سب سے بڑی دولت اور بلندیِ مرتبے کی ضامن ہے۔

تفصیلی تشریح:

پہلا شعر: قسم خدا کی سینے میں جان رکھتا ہوں میں اپنے دل میں ایمان رکھتا ہوں

شاعر اپنے کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کی قسم سے کر رہا ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ جو بات کہہ رہا ہے وہ مکمل سچائی اور خلوص پر مبنی ہے۔ "سینے میں جان رکھنا" انسان کے زندہ ہونے کی علامت ہے، لیکن شاعر کی نظر میں محض جسمانی طور پر زندہ رہنا کافی نہیں، بلکہ حقیقی زندگی دل کے اندر "ایمان" کا ہونا ہے۔ انسان کے جسم کا سب سے قیمتی اثاثہ اس کا ایمان ہے، اور شاعر یہ واضح کر رہا ہے کہ وہ ایک صاحبِ ایمان مسلمان ہے جس کا دل نورِ خداوندی سے منور ہے۔

دوسرا شعر: بلند رتبہ اس گھر کا کیوں نہ ہو، ناقص
سمجھ نہ کمتر، گھر میں قرآن رکھتا ہوں

دوسرے شعر میں شاعر اپنے مخاطب (جو کہ ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کرنے والا یا کم فہم انسان ہے، جسے "تخلص ناقص" کہہ کر پکارا گیا ہے) کو تنبیہ کرتا ہے۔ دنیادار لوگ اکثر کسی گھر کے مرتبے کا اندازہ اس کے مال و دولت، زیب و آرائش اور مادی وسائل سے لگاتے ہیں۔ شاعر اس خام خیالی کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر میرا گھر ظاہری طور پر سادہ یا مفلس نظر آتا ہے تو اسے ہرگز کم تر نہ سمجھنا۔

میرے گھر کی سب سے بڑی عظمت اور رتبے کی بلندی یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید موجود ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالی کا سچا کلام ہے، جو برکت، ہدایت اور رحمت کا سرچشمہ ہے۔ جس جگہ یا گھر میں کلامِ الٰہی موجود ہو اور اس کی تلاوت کی جاتی ہو، اس گھر کی قدر و قیمت دنیا کے تمام محلوں اور مال و دولت سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

حاصلِ کلام

یہ اشعار ایمان کی پختگی، قرآن مجید کی عظمت اور مادی دنیا کے مقابلے میں روحانی دولت کی فوقیت کو بیان کرتے ہیں۔ شاعر یہ درس دیتا ہے کہ انسان کی حقیقی عزت اور گھر کا اصلی وقار ظاہری مال و اسباب سے نہیں بلکہ ایمان اور قرآن پاک کی برکت سے قائم ہوتا ہے۔

عشق سجدوں سے اگر ہوتا ناقص
پھر بلاؤں میں کبھی نہ ملوث ہوتا

شعر کا مفہوم:

شاعر نے اس شعر میں ظاہری عبادت اور باطنی (روحانی) عشق و خلوص کا فرق واضح کیا ہے۔ اسلام اور تصوف کی رو سے سجدہ محض ایک جسمانی عمل یا رکوع و سجود کی ایک صورت کا نام نہیں ہے، بلکہ سجدے کی روح یہ ہے کہ انسان کا دل، سوچ اور تمام تر وجود اللہ تعالیٰ کے سامنے تسلیم ہو جائے۔ اگر کوئی شخص محض رسم کے طور پر سجدہ کرتا ہے لیکن اس کے دل میں عشقِ الٰہی، خشوع اور خضوع نہیں، تو وہ سجدہ اس کی زندگی میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں لا سکتا۔

2. گناہوں اور بلاؤں سے بچاؤ:

سچی عبادت اور حقیقی عشق انسان کی اخلاقی و روحانی تربیت کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں بھی ارشاد ہے کہ "بے شک نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے"

شاعر کہتا ہے کہ اگر انسان کے اندر سچا عشق اور خشوع موجود ہو، تو اس کا سجدہ اسے گناہوں، برائیوں اور باطنی آلودگیوں (بلاؤں) سے محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان سجدے کرنے کے باوجود برائیوں میں ملوث ہو رہا ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے سجدوں میں 'عشق' اور 'اخلاص' کی کمی ہے۔

3. ظاہری نمائش بمقابلہ باطنی پاکیزگی: شعر میں ایک خوبصورت طنز اور تنبیہ بھی پوشیدہ ہے کہ محض مذہبی رسومات ادا کر لینا یا بظاہر زاہد و عابد نظر آنا کافی نہیں۔ اگر سجدوں میں روحِ عشق موجود نہ ہو تو وہ انسان کو دنیاوی و اخلاقی بلاؤں سے نہیں بچا سکتے۔ سچا عاشقِ خدا جب سجدہ کرتا ہے تو اس کا دل دنیاوی آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

حاصلِ کلام:

شاعر کے نزدیک بندگی اور عشق کا تقاضا یہ ہے کہ عبادت انسان کے باطن پر اثر انداز ہو۔ اگر عبادات کے باوجود انسان کا کردار نہیں سنورتا اور وہ گناہوں میں مبتلا رہتا ہے، تو اسے اپنے سجدوں کی کیفیت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا ان میں خلوص اور عشق تھا یا وہ محض ایک بے روح عمل تھا۔

دلوں میں یادِ مدینہ بسائے رکھتا ہوں
لبوں پہ نعتِ آقا سجائے رکھتا ہوں

شعر کی مفصل تشریح:

یہ شعر عشقِ رسول ﷺ، شیفتگی اور مدینۃ منورہ سے گہرے قلبی لگاؤ کا بہترین عکاس ہے۔ شاعر نے نہایت خوبصورت اور مؤثر انداز میں اپنی روحانی زندگی کا حاصل دو مصرعوں میں بیان کر دیا ہے۔

پہلا مصرع: "دلوں میں یادِ مدینہ بسائے رکھتا ہوں"

معنوی تحلیل: مدینہ منورہ محض ایک شہر کا نام نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے الفت، امن اور مرکزِ عقیدت کا نام ہے۔ "یاد بسانے" سے مراد کسی چیز کو محض عارضی طور پر یاد کرنا نہیں، بلکہ اسے اپنے دل میں مستقل طور پر آباد کر لینا ہے دنیاوی کشمکش اور فکر و پریشانیوں کے باوجود میرے دل کی دنیا مدینہ منورہ کی یاد سے آباد ہے۔ میں نے اپنے دل میں کسی عارضی یا فانی چیز کی محبت کے بجائے آقا دو عالم ﷺ کے شہر کی یاد کو مقیم کر رکھا ہے، جو میرے لیے سکونِ قلب اور ایمان کی تازگی کا ذریعہ ہے۔

دوسرا مصرع: "لبوں پہ نعتِ آقا سجائے رکھتا ہوں"

معنوی تحلیل: "سجانے" کا لفظ یہاں نہایت جامع اور خوبصورت ہے۔ نعتِ رسول ﷺ کہنا یا پڑھنا ایک عظیم سعادت اور باعثِ برکت عمل ہے۔ جس طرح انسان اپنے آپ کو یا اپنے گھر کو خوبصورت چیزوں سے سجاتا ہے، اسی طرح شاعر اپنے لبوں کو مدحِ رسول ﷺ سے آراستہ اور زیبا رکھتا ہے۔

مفہوم: شاعر کہتا ہے کہ میری زبان کا بہترین استعمال اور اس کا حسن یہ ہے کہ اس پر ہر وقت نبی کریم ﷺ کی نعت جاری رہتی ہے۔ یہ نعت خوانی میری عادت ہی نہیں بلکہ روح کی غذا اور میری پہچان بن چکی ہے۔

مجموعی حاصلِ کلام:

اس شعر کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ کا ظاہر و باطن آقا کریم ﷺ کی محبت سے معطر ہوتا ہے۔ باطن (دل) یادِ مدینہ کا مسکن ہے اور ظاہر (لب/زبان) نعتِ مصطفیٰ ﷺ کا مطلع ہے۔ شاعر نے دل کے اندرونی جذبے (یادِ مدینہ) اور زبان کے بیرونی عمل (نعت خوانی) کا ایسا حسین امتزاج پیش کیا ہے جو ایک مومن کی کامل زندگی اور عشقِ رسول ﷺ کی سچی تصویر ہے۔

ہمارا حال ہے خستہ حضور دیکھے نہ
نہ کوئی حامی نہ رہبر حضور دیکھے نہ

مفہوم: اے ہمارے آقا/حضور! ہمارا حال انتہائی برباد اور خستہ ہو چکا ہے، آپ ہماری اس حالت پر نظر کرم فرمائیں۔ ہمارا اس دنیا میں نہ کوئی مددگار ہے اور نہ ہی کوئی سیدھی راہ دکھانے والا رہنما، آپ ہمارے اس بے بس حال کی طرف توجہ فرمائیں۔

لغوی حل: حالِ خستہ: خراب، پریشان یا تباہ حال۔

حامی: حمایت کرنے والا، مددگار یا پشت پناہ۔

رہبر: راستہ دکھانے والا، رہنما یا قائد۔

دیکھے نہ: التجاو گزارش کا انداز (یعنی "ذرا دیکھیے تو سہی" یا "نظر کرم فرمایئے")۔

تفصیلی تشریح: پہلا مصرعہ (ہمارا حال ہے خستہ حضور دیکھے نہ): اس مصرعے میں شاعر اپنی یا اپنی قوم کی زبوں حالی، پریشانی اور بے بسی کا ذکر کر رہا ہے۔ وہ اپنے محبوب، آقا محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ ہم کس قدر درد، غریبی، بے سہارگی اور خستہ حالی میں مبتلا ہیں۔ لفظ "حضور" ادب و احترام کی علامت ہے، اور "دیکھے نہ" کے ذریعے نہایت عاجزانہ انداز میں فریاد کی جا رہی ہے کہ آپ کی ایک نظر کرم ہماری تمام تکلیفوں کو دور کر سکتی ہے۔

دوسرا مصرعہ (نہ کوئی حامی نہ رہبر حضور دیکھے نہ): دوسرے مصرعے میں شاعر اپنی مکمل بے سر و سامانی کا اعتراف کر رہا ہے۔ دنیا میں جب انسان پر مشکل وقت آتا ہے تو اسے کسی نہ کسی کے سہارے یا رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن شاعر کہتا ہے کہ ہماری حالت یہ ہے کہ نہ تو کوئی ہماری حمایت کرنے والا (حامی) بچا ہے اور نہ ہی اس اندھیرے اور گمراہی کے دور میں کوئی درست راستہ دکھانے والا (رہبر) موجود ہے۔ اس تنہائی اور بے کسی کے عالم میں صرف آپ کی ذات ہی ہماری آخری امید اور سہارا ہے۔

مرکزی خیال: اس شعر کا بنیادی پیغام عاجزی، مکمل بے کسی کا اعتراف اور اپنے رہنما یا محبوب سے مدد و توجہ کی التجا کرنا ہے۔ نعت کے پس منظر میں یہ شعر امتِ مسلمہ کی موجودہ پریشان حالی اور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں کرم و شفاعت کی فریاد کو ظاہر کرتا ہے۔

مردہ دلوں کو زندہ کرنے کے واسطے
پیغام حق تعالیٰ سنانے کے واسطے
تشریف لائے آقا رہبری کے لئے
امت کو بات حق سنانے کے واسطے

یہ اشعار نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت، ان کے مقام و مرتبے اور دنیا میں ان کی آمد کے بنیادی مقصد کو بیان کرتے ہیں۔ شاعر نے نہایت خوبصورت اور سادہ الفاظ میں آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور مشن کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔
ذیل میں ان اشعار کی تفصیلی تشریح پیش کی جارہی ہے:

مردہ دلوں کو زندہ کرنے کے واسطے پیغامِ حق تعالیٰ سنانے کے واسطے

تشریح: اس شعر میں رسول اللہ ﷺ کی آمدِ مبارک کا اہم ترین مقصد بیان کیا گیا ہے۔ بعثتِ نبوی سے قبل دنیا (بالخصوص عرب معاشرہ) جہالت، گمراہی، شرک اور اخلاقی پستی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لوگ روحانی طور پر مر چکے تھے؛ یعنی ان کے دلوں سے خیر و شر کی تمیز اور خدا کی معرفت ختم ہو چکی تھی۔ شاعر ایسے دلوں کو "مردہ دل" سے تعبیر کر رہا ہے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد ان مردہ دلوں میں ایمانی اور روحانی روح پھونکنا تھا تاکہ وہ دوبارہ زندہ ہو سکیں۔ یہ مقصد آپ ﷺ نے "پیغامِ حق تعالیٰ" یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کا دین اور قرآن مجید انسانوں تک پہنچا کر پورا کیا۔ یعنی اللہ کا سچا پیغام ہی وہ آبِ حیات ہے جس نے انسانیت کو بیدار اور زندہ کیا۔

شعر 2: تشریف لائے آقا رہبری کے لئے امت کو باتِ حق سنانے کے واسطے

تشریح: اس شعر میں آپ ﷺ کی صفتِ "ہادی" (ہدایت دینے والے) اور امت پر آپ کے احسان کا ذکر ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں پوری انسانیت اور بالخصوص اپنی امت کی رہنمائی اور پاسبانی کے لیے تشریف لائے۔ جب انسان راستے سے بھٹک چکا تھا، تو آپ ﷺ نے ایک کامل اور سچے رہبر کا کردار ادا کیا۔ آپ ﷺ نے امت کو "باتِ حق" (سچائی کی بات، دینِ اسلام اور حق کا راستہ) سنائی اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ کا ہر قول و فعل امت کے لیے دنیا و آخرت میں کامیابی کا واحد ذریعہ اور ہدایت کا مشعلِ راہ ہے۔

مرکزی خیال: ان اشعار کا مجموعی خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثتِ مبارکہ انسانیت کے لیے رحمت اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات اور پیغامِ الٰہی کے ذریعے گمراہ اور غافل انسانوں کو بیدار کیا اور امت کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کے لیے حق کی راہ دکھائی۔

بیاں جنگلاتوں میں جو جنگیں تم نے دیکھی ہے
مدد حاصل ہوا کرتی تھی انکو حق تعالیٰ کی

مفہوم:

اس شعر کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ تاریخِ اسلام کے دوران صحراؤں، بیابانوں اور ویرانوں میں مسلمانوں نے جتنی بھی جنگیں لڑیں، ان میں بظاہر ان کے پاس سامانِ حرب، تعداد اور وسائل کی شدید کمی تھی۔ اس کے باوجود وہ فتح یاب ہوئے کیونکہ ان کو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت اور مدد حاصل تھی۔

تفصیلی تشریح:

۱. صحراؤں اور بیابانوں کا معرکہ (اسلامی تاریخ کا پس منظر): شعر کے پہلے مصرع میں "بیابانوں اور جنگلوں" سے مراد وہ تمام تاریخی معرکے ہیں جو دورِ اول کے مسلمانوں نے کفر کے خلاف لڑے (مثلاً غزوۂ بدر، غزوۂ تبوک، وغیرہ)۔ یہ تمام جنگیں سخت حالات، گرم صحراؤں اور کٹھن علاقوں میں لڑی گئیں۔ شاعر مخاطب کو متوجہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر تم تاریخ کا مطالعہ کرو یا ان بیابانوں کے احوال دیکھو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ وہ جنگیں عام دنیاوی جنگوں کی طرح محض تیر و تفنگ کی بنیاد پر نہیں لڑی گئی تھیں۔

۲. نصرتِ الٰہی اور ایمانی قوت: دوسرے مصرع میں کامیابی کی اصلی وجہ بتائی گئی ہے کہ ان مجاہدین کو "حق تعالیٰ" (اللہ رب العزت) کی خصوصی مدد حاصل تھی۔ اسلامی تاریخ کا یہ زریں اصول رہا ہے کہ مسلمان کبھی بھی محض اپنی تعداد یا ہتھیاروں کے بل بوتے پر میدان میں نہیں اترے، بلکہ ان کا اصل سرمایہ ایمان، تقویٰ اور توکل تھا۔

قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوتا ہے:

"اور اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جبکہ تم بالکل بے سر و سامان تھے"

۳. پیغام و حاصلِ کلام: شاعر اس شعر کے ذریعے امتِ مسلمہ کو یہ سکھانا چاہتا ہے کہ مادّی وسائل کی کمی کبھی بھی کامیابی میں رکاوٹ نہیں بنتی، اگر انسان کا مقصد حق ہو اور اسے اللہ کی نصرت حاصل ہو جائے۔ جب تک مسلمانوں کا تعلق اپنے خالق سے مضبوط رہا، جنگل اور بیابان بھی ان کی شجاعت اور فتح کے گواہ بنتے رہے۔

عداوت بھی نہیں ان سے مگر رخ موڑ لیتے ہیں
یہ مطلب کی دنیا ہے سب چھوڑ دیتے ہیں
لگاؤ کتنی ہے مجھ کو کاغذ کی ناؤ سے
سمجھ کر ناؤ کاغذ کی سب چھوڑ دیتے ہیں

مشکل الفاظ کے معانی ۔ عداوت: دشمنی، کینہ، عداوت
رخ موڑنا: توجہ نہ دینا، منہ پھیر لینا، نظر انداز کرنا
مطلب کی دنیا: غرض پر مبنی دنیا، جہاں لوگ صرف اپنے فائدے کے لیے تعلق رکھتے ہیں
لگاؤ: محبت، دلچسپی، تعلق
کاغذ کی ناؤ: کاغذ کی کشتی (جو عارضی اور ناپائیدار ہوتی ہے)

مطلع / پہلے شعر کی تشریح۔ عداوت بھی نہیں ان سے مگر رخ موڑ لیتے ہیں یہ مطلب کی دنیا ہے سب چھوڑ دیتے ہیں

تشریح: اس شعر میں شاعر انسانوں کے بدلے ہوئے رویوں اور دنیا کی بے وفائی کا رونا رو رہا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جن لوگوں سے ہماری کوئی دشمنی یا عداوت نہیں ہے، وہ بھی اچانک اپنا رخ موڑ لیتے ہیں اور بے رخی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا خود غرض اور غرض پرست ہے۔ جب تک کسی کو آپ سے کوئی فائدہ یا مطلب ہوتا ہے، وہ آپ کے ساتھ جڑا رہتا ہے، لیکن جیسے ہی ان کا مطلب پورا ہو جاتا ہے یا آپ ان کے کسی کام کے نہیں رہتے، وہ آپ کو تنہا چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اس شعر میں انسانی تعلقات کی ناپائیداری اور مفاد پرستی پر گہرا طنز کیا گیا ہے۔

مقطع / دوسرے شعر کی تشریح: لگاؤ کتنی ہے مجھ کو کاغذ کی ناؤ سے سمجھ کر ناؤ کاغذ کی سب چھوڑ دیتے ہیں

تشریح: اس شعر میں شاعر اپنے جذبات کی نازکی اور دنیاداروں کے بیدردانہ رویے کا موازنہ کر رہا ہے۔ "کاغذ کی ناؤ" دراصل معصومیت، نادان جذبات، عارضی خلوص اور نازک تعلقات کی علامت ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ مجھے ان نازک اور معصوم جذبات (کاغذ کی ناؤ) سے بہت زیادہ لگاؤ اور محبت ہے، میں ان کو سنبھال کر رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن دنیادار لوگ ان جذبات اور تعلقات کو "کاغذ کی ناؤ" کی طرح ناپائیدار اور معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں یا پانی میں بہا دیتے ہیں۔ یعنی جس چیز سے شاعر کو دلی وابستگی ہے، دنیا کے نزدیک اس کی کوئی وقعت اور ثبات نہیں ہے، اور لوگ اسے بے دردی سے ٹھکرا دیتے ہیں۔

مجموعی مفہوم: . ان اشعار میں خلوصِ دل، معصوم جذبات اور خود غرض دنیا کے درمیان کشمکش کو بیان کیا گیا ہے۔ شاعر یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ آج کے دور میں مخلصانہ تعلقات اور نازک جذبات کی قدر ختم ہو چکی ہے، اور لوگ صرف اپنے مفاد کی بنیاد پر رشتے بناتے اور توڑتے ہیں۔

یزیدی فوج اکبر کو دیکھ کر بولی
بڑا دلیر ہے بیٹا حسین اعظم کا

یہ شعر واقع کربلا کے تناظر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شجاعت، ہیبت اور بسالت کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱. دشوار الفاظ کے معانی یزیدی فوج: ابنِ زیاد اور شمر کے لشکرِ مخالف کے سپاہی (لشکرِ یزید)۔

اکبر۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے، حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ (جن کی صورت اور سیرت حضرت محمد ﷺ سے بے حد مشابہ تھی)۔

دلیر: بہادر، شجاع، نڈر۔

حسین اعظم: امام حسین عالی مقام کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے احتراماً استعمال کیا گیا لقب (عظیم الشان حسین)۔

۲. شعر کا مفہوم

یزیدی لشکر حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کو میدانِ جنگ میں آتے ہوئے دیکھ کر حیرت اور خوف کے عالم میں پکار اٹھا کہ یہ جوان (حضرت علی اکبر) تو اپنے عظیم والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بے حد بہادر اور نڈر بیٹا ہے۔

۳. مکمل تشریح

یہ شعر میدانِ کربلا میں حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی آمد اور دشمنوں کے دلوں پر ان کی ہیبت و جاہ و جلال کے اثر کو بیان کرتا ہے۔

دشمن کا اعترافِ شجاعت: شاعر کہتا ہے کہ حضرت علی اکبر جب تمام تر حلم، جلال اور حیدری رعب و دبدبے کے ساتھ میدانِ کارزار میں اترے، تو ان کی رجز خوانی، تلوار بازی اور ہیبت کو دیکھ کر یزیدی فوج کے سپاہی آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ جوان کس قدر شجاع اور نڈر ہے۔ کسی بھی انسان کی شجاعت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہوتا ہے کہ اس کے دشمن بھی اس کی بہادری کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

حیدری و حسینی نسل کا عکس: یزیدی فوج کا یہ کہنا کہ "بڑا دلیر ہے بیٹا حسین اعظم کا" اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت علی اکبر میں ان کے والد حضرت امام حسین اور ان کے دادا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا شیر خدا والا جاہ و جلال موجود تھا۔ وہ صرف شکل و صورت میں رسولِ خدا ﷺ کا مجسمہ نہیں تھے بلکہ شجاعت اور بہادری میں بھی آلِ محمد کا کامل نمونہ تھے۔

خوف اور ہیبت کا سماں: اس شعر میں شاعر نے دشمن کی نفسیات کی عکاسی کی ہے۔ یزیدی لشکر جو تعداد میں ہزاروں تھا، وہ ایک پیاسے اور بھوکے ۱۸ سالہ جوان کی دلیری اور جلالت کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا اور ان کے زبان پر بے اختیار اپنے مخالف کی تعریف جاری ہو گئی۔

ولا تقولو کی تفسیر ہیں حسین میرے
حسینؑ و منی کی تصویر ہیں حسین میرے

شاعر نے اس شعر میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی عظمت اور ان کے دینی و روحانی مقام کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

شعر اور اس کا لفظی و سلیس مفہوم

"ولا تقولوا" کی تفسیر ہیں حسین میرے "

حسینؑ "منّی" کی تصویر ہیں حسین میرے

مفہوم: میرے امام حسینؑ قرآن پاک کے حکم "ولا تقولوا" (شہداء کو مردہ نہ کہو) کی زندہ و جاوید تشریح ہیں، اور فرمانِ مصطفیٰ ﷺ "حسینؑ منّی" (حسین مجھ سے ہے) کا عملی اور مجسم عکس ہیں۔

تفصیلی تشریح

پہلا مصرع: "ولا تقولوا" کی تفسیر ۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:"

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ

" (اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔) "ولا تقولوا" جہاں شہداء کی ابدی زندگی اور حیاتِ جاوداں کا ذکر کرتی ہے، امام حسینؑ کی ذاتِ مبارک اس کی سب سے کامل اور روشن تفسیر ہے۔ آپ نے میدانِ کربلا میں دینِ حق کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر کے شہادت کا وہ مقام حاصل کیا کہ آپ کا نام، پیغام اور مقصد قیامت تک کے لیے زندہ ہو گیا۔ آپ کو جسمانی طور پر شہید تو کر دیا گیا لیکن آپ کا حق و صداقت کا علم آج بھی لہرا رہا ہے۔

دوسرا مصرع: "حسینؑ منّی" کی تصویر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور و معروف حدیث ہے: "حُسَیْنٌ مِنِّی وَ اَنَا مِنْ حُسَیْنٍ" (حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔)

تشریح "حسین مجھ سے ہے" اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ حسینؑ کی سیرت، اخلاق، تربیت اور خون میں نبی اکرم ﷺ کی ذات کا پرتو ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ امام حسینؑ کی شکل و صورت اور سیرت و کردار رسول پاک ﷺ کا مجسم عکس (تصویر) ہے۔ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ نے جس طرح اسلام کی حفاظت کی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے دین کے سچے وارث ہیں۔

خلاصہ

یہ شعر امام حسین علیہ السلام کے دو عظیم پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے:

حیاتِ ابدی (شہادت): آپ قرآنی حکم کے مطابق زوال نہ پانے والی ابدی حیات کا مظہر ہیں۔ نسبتِ مصطفیٰ ﷺ: آپ سیرت و کردار کے لحاظ سے ذاتِ محمدی ﷺ کا سچا اور کامل عکس ہیں۔

ہو جائے جدا سر بھی، اقرار نہ کریں گے
صدیق کی عظمت کا انکار نہ کریں گے

معنی و الفاظ کا حل ۔ ۔جدا ہونا: الگ ہونا، کٹ جانا (یہاں سر قلم ہونے یا جان دینے کی طرف اشارہ ہے)۔اقرار: ماننا، تسلیم کرنا (یہاں باطل، ظلم یا غلط بات کو تسلیم کرنے کے معنی میں ہے)۔

صدیق: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (اسلام کے پہلے خلیفہ اور رسول اللہ ﷺ کے سب سے پہلے مرد بالغ صحابی)۔

عظمت: شان و شوکت، رفعت، مقام و مرتبہ۔

انکار: نفی کرنا، نہ ماننا۔

اگر ہماری گردن بھی کاٹ دی جائے اور ہم پر کتنا ہی ظلم و ستم کیوں نہ ڈھا دیا جائے، ہم باطل یا غلط بات کا اقرار ہرگز نہیں کریں گے۔ ہم اپنی جان تو دے سکتے ہیں لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ مقام، مرتبے اور ان کی عظمت و شان کا انکار کبھی نہیں کریں گے۔

تفصیلی تشریح:

یہ شعر عقیدت و محبت اور حق گوئی و بے باکی کا ایک بہترین شاہکار ہے۔ اس شعر کے دو بنیادی پہلو ہیں، عزم و استقلال اور ثبات قدم

شعر کے پہلے مصرعے میں شاعر اپنے ایمان اور نظریے پر قائم رہنے کے پکے ارادے کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ اشارہ ہے کہ ایک سچا مومن کسی بھی جابر یا ظالم کے سامنے اپنا سر نہیں جھکاتا۔ جان چلی جائے لیکن باطل کے سامنے ہتھیار ڈالنا یا غلط بات کو صحیح ماننا مومن کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت اور ان کے مقام کا تحفظ دوسرے مصرعے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت و فضیلت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ تاریخِ اسلام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام انتہائی بلند ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے غار و مزار کے ساتھی ہیں، انبیاء کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل آپ کی ہی ذات ہے اور اسلام کے پہلے خلیفہ راشد ہیں۔

شعر کا لبِ لباب یہ ہے کہ صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں کوہی کوتاہی یا ان کے مقام کا انکار کرنا کسی صورت ممکن نہیں، خواہ اس کی قیمت جان دے کر ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ یہ شعر اہل سنت والجماعت کی اس فکر کی عکاسی کرتا ہے جس میں صحابہ کرام کی حرمت و عظمت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔

محبت جو کرتے ہیں استاد سے
وہی فیض پاتے ہیں استاد سے
بھٹکتے رہتے ہیں وہ دربدر
عداوت جو رکھتے ہیں استاد سے

لغوی معنی۔ فیض: فائدہ، برکت، علم و دانش کا حائل ہونا، بھلائی۔
عداوت: دشمنی، بغض، کینہ، بے ادبی۔
دربدر بھٹکنا: سڑکوں پر خوار ہونا، منزل نہ ملنا، ناکام و نامراد رہنا۔
شعر کی تشریح: یہ اشعار استاد کی عظمت، ان کے احترام اور ادب کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں۔ شاعر نے دو مختلف رویوں اور ان کے نتائج کو نہایت خوبصورت اور سادہ انداز میں پیش کیا ہے:
پہلا شعر (محبت اور ادب کا نتیجہ): پہلے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ جو طلبہ اپنے استاد سے سچی محبت، احترام اور عقیدت رکھتے ہیں، وہی علم کے حقیقی فیض اور برکت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ علم صرف کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ علم کی حقیقی روانی اور برکت استاد کی دعاؤں اور ان کے احترام سے ملتی ہے۔ جو طالب علم استاد کی قدر کرتا ہے، اسے زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی اور ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

دوسرے شعر میں شاعر پہلے شعر کے برعکس رویے کا ذکر کرتے ہوئے خبردار کرتا ہے کہ جو لوگ اپنے استاد سے عداوت، کینہ یا بے ادبی رکھتے ہیں، وہ زندگی میں کبھی مستحکم یا کامیاب نہیں ہو پاتے۔ ایسا شخص چاہے کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو، استاد کی بددعا یا بے ادبی کی وجہ سے اس کے علم کی برکت ختم ہو جاتی ہے اور وہ منزل کی تلاش میں جگہ جگہ ذلیل و خوار (دربدر) ہوتا رہتا ہے۔

علم حاصل کرنے کے لیے استاد کا احترام اور محبت بنیادی شرط ہے۔ استاد کی قدر کرنے والا با فیض اور کامیاب ہوتا ہے، جبکہ استاد سے عداوت اور بے ادبی کرنے والا ناکامی اور گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

جسے لگتا ہے لگنے دو ہمارا کام تھوڑی ہے
یہ میرا دل ہے بنارس کا جام تھوڑی ہے

معنی: جسے لگتا ہے لگنے دو: جسے جو گمان یا وہم کرنا ہے، کرے۔ لوگ جو بھی سوچتے یا کہتے ہیں، کہیں؛ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔

* ہمارا کام تھوڑی ہے: یہ ہماری ذمہ داری یا فکر کا موضوع نہیں۔

* بنارس کا جام: بنارس (وارانسی) کا مشہور شربت، جام یا پیالہ جسے ہر خاص و عام پی سکتا ہے یا لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ استعاراتی طور پر اس سے مراد وہ عام چیز ہے جو ہر ایک کے لیے دستیاب یا کھلی ہو۔

شعر کی تشریح:

یہ شعر بے نیازی، انا (خودداری) اور دل کی اہمیت و نفاست کا ایک حسین اظہار ہے۔

* پہلا مصرع (بے نیازی اور لاپرواہی):

شاعر کہتا ہے کہ دنیا والے اس کے بارے میں، اس کی محبت یا اس کے رویے کے بارے میں جو بھی رائے قائم کرنا چاہتے ہیں، کرتے رہیں۔ وہ لوگوں کی باتوں، افواہوں یا ان کے خیالات کی پروا نہیں کرتا۔ دنیا کو ہر بات پر رائے قائم کرنے کی عادت ہوتی ہے، لیکن شاعر اپنی زندگی اور جذبات کو لوگوں کے گمان کے تابع نہیں بنانا چاہتا۔

دوسرا مصرع (دل کی نفاست اور اختصاص):

شاعر اپنے دل کی موازنہ بنارس کے مشہور جام سے کرتا ہے۔ بعد لوگوں کے دلوں میں بیک وقت کئی انسان سے محبت ہوتی ہے جس سے یہ شعر محبوبہ کے حق میں ہے وہ یہ نہ سمجھے میرا دل کئی لوگوں سے مزین ہے یوں یہ جیسے بنارس کا جام اسمے کثیر افراد ہونگے

تشریح۔ (ج) شہر بنارس گلی کوچھوں کا شہر ہے یہاں تنگ گلیاں یہ مت لوگوں سے اکتا گیا ہوں بلکہ یہ سب میرا دل ہے اسے میں اسی طرح محسوس کرتا ہوں جیسے کہ میرے دل میں سبھی کے لئے ویسے ہی عظمت ہے جیسے دل میں رکھنی چاہیئے ۔

بنارس کے جام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہر آنے جانے والے کے لیے دستیاب ہوتا ہے—جو چاہے آئے اور پی لے۔ لیکن شاعر کہتا ہے کہ "یہ میرا دل ہے"، کوئی عمومی جام یا شربت کی دکان نہیں جو ہر ایک کے لیے کھلی ہو۔ میرا دل انتہائی قیمتی، نازک اور خصوصی ہے؛ یہ ہر بدمزاج یا عام شخص کی رسائی میں نہیں آ سکتا۔ شعر میں شاعر نے ایک طرف تو لوگوں کی باتوں کو نظر انداز کرنے کا بے باکانہ انداز اپنایا ہے، اور دوسری طرف اپنے دل کی عزتِ نفس (Self-respect) کو قائم رکھتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ اس کی محبت اور جذبات اتنے ارزاں (سستے) نہیں کہ ہر کوئی ان سے دل بہلا سکے۔

نور کی برسات میں نوری گھرانہ دیکھئے
عرسِ رضوی آیا موسم سہانہ دیکھئے
جھوم اٹھا چار سو انکا دیوانہ دیکھئے
مسلک احمد رضا خاں کا زمانہ دیکھئے

مجددِ دین وملت امام احمد رضا خان بریلوی کا سالانہ عرس کی مناسبت سے نہایت عقیدت واحترام میں یہ شعر ہے۔ ان اشعار میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خانؒ کی علمی، روحانی اور دینی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

ذیل میں ان اشعار کی معانی اور مفصل تشریح پیش کی جارہی ہے:

* نوری گھرانہ: اعلیٰ حضرت کے خاندان اور ان کی اولاد (خصوصاً مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان "نوری") کو بھی کہا جاتا ہے، نیز اس سے مراد ان کا وہ مبارک گھرانہ ہے جو علم وولایت کے نور سے روشن ہے۔

عرسِ رضوی: امام احمد رضا خاں کی تاریخِ وصال (25 صفر) پر انعقاد پذیر ہونے والا مذہبی وروحانی اجتماع۔

* چار سو: چاروں طرف، ہر جانب۔

مسلکِ احمد رضا: شریعتِ مطہرہ اور سنتِ نبوی پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا وہ طریقہ و فکر جو اعلیٰ حضرت نے پیش کیا۔

اشعار کی تشری

نور کی برسات میں نوری گھرانہ دیکھئے
عرس رضوی آیا موسم سہانہ دیکھئے

تشریح: ۔اس شعر میں شاعر عرسِ رضوی کے موقع پر روحانی ونوری ماحول کی عکاسی کر رہا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ عرس کے اِن ایام میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان سے انوار و تجلیات کی برسات ہو رہی ہو

اور اس برکت و نور کے مرکز میں اعلیٰ حضرت کا مبارک اور نوری خاندان قائم ہے۔ عرسِ رضوی کا آمد، عاشقانِ رسول کے لیے ایک خوشگوار اور دلکش "موسم" کی مانند ہے، جس میں ہر طرف ذکرِ خدا اور رسولؐ اور درود و سلام کی صداؤں سے دلوں کو تازگی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

جھوم اٹھا چار سو انکا دیوانہ دیکھئے
مسلک احمد رضا خاں کا زمانہ دیکھئے

تشریح: ۔اس شعر میں امام احمد رضا خانؒ کے عقیدت مندوں کی والہانہ محبت اور ان کی علمی و فکری تحریک کے عالمگیر اثرات کا ذکر ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ عرس کی اس تقریب اور ان کے فیض کو دیکھ کر ان کا ہر چاہنے والا (دیوانہ) خوشی اور وجد و شوق میں ڈوبا ہوا ہے۔ دوسری سطر میں ایک تاریخی و علمی سچائی کی طرف اشارہ ہے کہ امام احمد رضا خانؒ نے عشقِ رسول محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم، تعظیمِ مصطفیٰ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور اتباعِ شریعت کا جو درس دیا، آج دنیا بھر میں اس کا چرچا اور قبولیت ہے۔ ہر طرف ان کے علمی کاموں، فتاویٰ اور نعتیہ کلام (حدائقِ بخشش) کی مقبولیت کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے پورا زمانہ ہی ان کی دینی و علمی فکر کا معترف ہو چکا ہے۔

خلاصہ

یہ اشعار امام احمد رضا خان بریلویؒ سے محبت، ان کے خاندان کی علمی و روحانی قدر، اور عرسِ رضوی کے روحانی اجتماع کی شادمانی کو بیان کرتے ہیں، جس کا بنیادی پیغام عشقِ رسول و رمسلکِ حق پر ثابت قدمی ہے۔

کیا بتاوں کیا ہے عظمت پان کی
دل میں رہتی ہے محبت پان کی
پان کھانے والے کہتے ہیں سبھی
چار سو پھلی ہے شہرت پان کی

یہ اشعار پان کی خوبیوں، مقبولیت اور اس سے جڑی ثقافتی محبت کا خوبصورت اظہار کرتے ہیں۔

کیا بتاوں کیا ہے عظمت پان کی
دل میں رہتی ہے محبت پان کی

تشریح: ۔شاعر اس شعر میں برصغیر کی ثقافت اور تہذیب میں پان کی خاص اہمیت اور مقبولیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔وہ کہتا ہے کہ میں پان کی شان اور اس کے مرتبے کا ذکر کن الفاظ میں کروں؟اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔جو لوگ پان کے شوقین ہیں،ان کے دلوں میں پان کے لیے ایک خاص قسم کی محبت اور لگاؤ ہوتا ہے۔یہ صرف ایک کھانے کی چیز نہیں، بلکہ ایک ایسا شوق ہے جو انسان کے دل و دماغ میں رچ بس جاتا ہے۔

پان کھانے والے کہتے ہیں سبھی
چار سو پھلی ہے شہرت پان کی

تشریح: ۔اس شعر میں شاعر پان کی ہمہ گیر مقبولیت کا تذکرہ کر رہا ہے۔وہ کہتا ہے کہ پان کے دلدادہ اور اسے پسند کرنے والے تمام لوگ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ پان کا نام اور اس کا ذائقہ ہر جگہ معروف ہے۔ہر طرف پان کی مقبولیت کے چرچے ہیں۔برصغیر کی روایتی مہمان نوازی اور محفلوں میں پان کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے،اور اسی بنا پر اس کی شہرت چاروں سمت پھیلی ہوئی ہے۔

یہ دیش کے انمول رتن دیکھ رہے ہو
خوں سے سیراب بدن دیکھ رہے ہو
گوروں نے بھی تصویر نکالی تھی چمن کی
زنجیروں میں جکڑے وطن دیکھ رہے ہو

لغوی معانی: ۔ انمول رتن: قیمتی ہیرا یا گرانقدر سرمایہ Sarmaya (یہاں وطن کے عظیم مجاہدینِ آزادی مراد ہیں)۔خوں سے سیراب بدن: خون سے تربتر جسم، جنہوں نے وطن کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

* گورے: انگریز / برطانوی حکمران۔
* تصویر نکالی تھی: نقشہ کھینچا تھا، جائزہ لیا تھا یا تصویر کشی کی تھی۔
* چمن: باغ (یہاں مراد خوبصورت اور شاداب وطنِ عزیز ہے)۔
* جکڑے: بیڑھندے، قید یا غلامی میں بندھے ہوئے۔

مفہوم و تشریح:۔اس بند میں شاعر نے تحریکِ آزادی کے دور کی دردناک، دردمندانہ اور حریت پسندانہ عکاسی کی ہے۔

. آزادی کے دیوانوں کی قربانی:

شاعر پہلی دو سطروں میں اپنے ہم وطنوں اور آنے والی نسلوں کو ان سرفروشوں کی طرف متوجہ کر رہا ہے جنہوں نے ملک کی آزادی کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔ "انمول رتن" سے مراد وہ مجاہدینِ آزادی ہیں جو کسی بھی مادی دولت سے زیادہ قیمتی تھے۔ان کے جسم وطن کی آبیاری کے لیے اپنے ہی خون سے نہائے ہوئے ہیں، یعنی انہوں نے آزادی کی قیمت اپنے خون سے ادا کی ہے۔

. انگریزوں کے مظالم اور وطن کی قید:

آخری دو سطروں میں شاعر انگریزی دورِ حکومت کے مظالم اور وطن کی مظلومیت کا ذکر کرتا ہے۔ " گوروں نے بھی تصویر نکالی تھی چمن کی" سے مراد یہ ہے کہ انگریزوں نے اس خوبصورت اور زرخیز چمن (ہندوستان) پر نظر بد ڈالی، اس کے وسائل کا جائزہ لیا اور اسے ہڑپ کرنے کی سازش کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو وطن کبھی آزاد اور شاداب تھا، وہ انگریزوں کی غلامی اور صیاد کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔

خلاصہ:

یہ شعر وطن پرستی، جذبۂ حریت اور شہدائے آزادی کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ شاعر ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم جس آزادی یا جدوجہد سے بھرپور زمین پر سانس لے رہے ہیں، وہ ان شہیدوں کے خون سے سینچی گئی ہے اور اس وطن کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے لیے بے شمار انمول انسانوں نے اپنی قربانی دی ہے۔

ہمیں تو فکر نہیں ہے لفافہ کی سنو
> ہمارا قلب قیادت کی چاہ رکھتا ہے

لغوی حل اللغات ۔لفافہ: اس سے مراد یہاں مال و دولت، رشوت، مادی مفادات، یا وہ رقم ہے جو اکثر سیاسی یا سماجی مفاد حاصل کرنے کے لیے بند لفافوں میں دی جاتی ہے۔

* سنو: توجہ مبذول کروانے کے لیے استعمال ہونے والا خطابی انداز۔
* قلب: دل، روح، یا اندرونی ضمیر۔
* قیادت: رہنمائی، لیڈرِپ، یا قوم و سماج کا ہادی بننا۔
* چاہ: خواہش، تڑپ، یا آرزو۔

مفہوم:

شاعر مجلسِ فکر و عمل میں یہ واضح کر رہا ہے کہ اسے کسی قسم کے مادی فائدے، پیسوں یا بند لفافوں کی کوئی آرزو نہیں ہے۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی سچی اور سچی تڑپ ہے — اور وہ ہے قوم یا تحریک کی سچی اور باوقار قیادت سنبھالنے کی۔

یہ شعر سیاسی، سماجی اور اخلاقی شعور کی نمائندگی کرتا ہے اور اس میں دو اہم پہلوؤں کا موازنہ کیا گیا ہے:

. مادی منفعت پسندی (لفافہ کلچر) کا رد:

شعر کے پہلے مصرع میں "لفافہ" ایک علامتی لفظ ہے۔ موجودہ دور میں لفافہ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے نظریات، ضمیر یا قلم کا سودا پیسے یا مراعات کے بدلے کر لیتے ہیں۔ شاعر ببانگِ دہل یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ اس پست ذہنیت سے پاک ہے۔ اسے دنیاوی لالچ، عہدوں کی مراعات یا پیسے کی کوئی پروا نہیں۔

. بلند مقصد اور قیادت کا جذبہ: ۔ دوسرے مصرع میں شاعر اپنے اصل مقصد کا اظہار کرتا ہے۔ "قلب" کے لفظ کا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ قیادت کی یہ خواہش کسی سطحی شہرت کے لیے نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں اور سچی تڑپ سے پیدا ہوئی ہے۔ شاعر کوئی معمولی پیروکار (Follower) بن کر یا مراعات لے کر خاموش بیٹھنے والا شخص نہیں، بلکہ وہ حالات کو بدلنے، قوم کی رہنمائی کرنے اور ایک سچا قائد بن کر ابھرنے کی صلاحیت اور آرزو رکھتا ہے۔

حاصلِ کلام: ۔ یہ شعر خودداری، اعلیٰ ظرفی اور عزم کا پیغام دیتا ہے۔ شاعر یہ باور کرواتا ہے کہ ایک سچا رہنما مادی فائدوں اور رشوتوں سے بالاتر ہو کر صرف اپنے مقصد، فکر اور قوم کی صحیح رہنمائی پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

اسکو سمجھ نہ آئی محبت کی داستاں
لمحوں میں کر گئی ویران آستاں

* داستاں: کہانی، قصہ، حکایت۔
* ویران: برباد، جہاں کوئی آبادی نہ رہے، سنسان۔
* آستاں (آستانہ): گھر، دہلیز، مسکن (شاعری میں یہاں اس سے مراد دل یا زندگی کا گھر ہے)۔

شعر کی تشریح

پہلا مصرع: "اسکو سمجھ نہ آئی محبت کی داستاں"

اس مصرع میں شاعر اپنے محبوب یا کسی خاص شخص کی بے حسی اور عدم توجہی کا ذکر کر رہا ہے۔ شاعر کا کہنا ہے کہ اس نے محبت کی جتنی بھی سچائی، عمق اور نیت ظاہر کی، سامنے والا شخص اس کی روح، نزاکت اور اہمیت کو نہ سمجھ سکا۔ اس نے محبت کو ایک سچی کیفیت کے بجائے شاید کوئی معمولی یا عارضی بات سمجھا۔

دوسرا مصرع: "لمحوں میں کر گئی ویران آستاں"

اس مصرع میں اس عدم تفہیم کے تلخ نتیجے کو دکھایا گیا ہے۔ جب دوسرے شخص کو محبت کی قدر اور داستاں کا اندازہ نہ ہوا، تو اس کے ایک فیصلے، رویے یا لاپرواہی نے پل بھر میں سب کچھ ختم کر دیا۔ جس دل یا زندگی کو محبت کے جذبے سے آباد کیا گیا تھا، وہ لمحوں کے اندر اجڑ کر ویران ہو گیا۔

3. مجموعی مفہوم

اس شعر کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ محبت کا قائم رہنا دونوں طرف سے جذبات کی تفہیم اور قدر پر منحصر ہوتا ہے۔ جب ایک فریق محبت کی گہرائی کو سمجھے بغیر لاپرواہی یا بے حسی کا مظاہرہ کرتا ہے، تو برسوں میں بسا ہوا جذبات کا آستانہ اور دل کا سکون چند لمحات میں تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

آقا کی عنایت کا فیضاں ہے مسولی میں
کرتے ہیں سبھی دل کو گلزار مسولی میں

مفہوم و تشریح: ۔پہلا مصرع: آقا کی عنایت کا فیضاں ہے مسولی میں

عنایت: کرم، مہربانی، لطف و کاہش۔

فیضان: فیض کا جاری ہونا، برکتیں تقسیم ہونا، روحانی نعمتوں کا مسلسل ملنا۔ قصبہ مسولی میں ہر طرف جو روحانی شادابی، سکون اور برکت نظر آتی ہے، وہ سید ناسر کار بانسہ رضی اللہ عنہ اور سید نامیر محمد اسماعیل کی خاص مہربانی اور کرم کا نتیجہ ہے۔ یہ مصرع اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس جگہ کو جو بھی شہرت، عظمت یا مقام حاصل ہے، وہ انہی بزرگوں کے فیض و کرم کی مرہونِ منت ہے۔

دوسرا مصرع۔ کرتے ہیں سبھی دل کو گلزار مسولی میں

گلزار: پھولوں کا باغ، مراد خوشی، سکون، اور ایمان کی شادابی سے بھرپور۔

تشریح: اس مصرعے میں مسولی شریف آنے والے زائرین اور عقیدت مندوں کی کیفیات بیان ہے جو بھی شخص اس روحانی فضا (مسولی) میں آتا ہے، وہ اپنے غم واندوہ اور بے چینی کو بھول جاتا ہے۔ یہاں ملنے والی روحانی توانائی اور فیض کی وجہ سے ہر انسان کا مرجھایا ہوا دل پھول کی طرح کھل اٹھتا ہے اور ایمان و سکون کی دولت سے معطر ہو جاتا ہے۔